حصۂ نظم

- غزل
- نظم
- طویل نظم

© NCERT not to be republished

غزل

’’غزل‘‘ عربی زبان کا لفظ ہے۔ لغت میں اس کے معنی ہیں ’’عورتوں کی باتیں کرنا‘‘ یا ’’عورتوں سے باتیں کرنا‘‘۔ عرب شعرا جب اپنی معشوقاؤں کا سراپا کھینچتے یا ان کے حسن و جمال کی تعریف کرتے یا ان کی محبت میں اپنے دلی جذبات کا اظہار کرتے تو اس عمل کو ’’تغزّل‘‘ اور ایسے اشعار کو ’’غزل‘‘ کہتے تھے۔ عربی میں غزل عشقیہ اشعار کو کہتے ہیں۔ عربی غزل میں مطلع بھی ہوتا تھا اور غزل کی ہیئت کے مطابق دوسرے اشعار کے تمام مصرعے ہم قافیہ بھی ہوتے تھے۔ غزل کا ہر شعر مستقل مضمون کا حامل نہیں ہوتا تھا۔

عربی سے غزل فارسی میں آئی۔ فارسی شاعروں نے غزل میں کئی بڑے کارنامے انجام دیے۔ ایک یہ کہ انھوں نے غزل کے ہر شعر کو ایک مستقل مضمون کا حامل بنایا۔ غزل کے ہر شعر میں ایک مستقل مضمون ادا کرنے کی کوشش کے نتیجے میں غزل کے اندر اشاروں اور کنایوں میں بات کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ بڑے سے بڑے مضمون کو علامت، تشبیہ اور استعارے کے پردے میں صرف دو مصرعوں میں ادا کیا جانے لگا۔ فارسی شاعروں نے موضوعات و مضامین کے لحاظ سے غزل میں وسعت پیدا کی۔ غزل میں عشق مجازی کے ساتھ ساتھ عشق الٰہی، بے ثباتیِ دنیا، زاہدوں سے چھیڑ چھاڑ، اہل ریا پر طنز اور رندی و مے خواری کے مضامین فارسی شاعروں ہی کی ایجاد ہیں۔ غزل میں ’’ردیف‘‘ فارسی شاعروں کی دین ہے۔ عربی شاعری میں قافیہ ہوتا ہے، ردیف نہیں ہوتی۔

اردو میں غزل فارسی ادب سے آئی۔ اب یہ اردو کی سب سے مقبول صنفِ سخن ہے۔ فارسی کی طرح اردو غزل میں بھی مضامین و موضوعات کی کوئی قید نہیں ہے۔ فلسفیانہ، عاشقانہ، زاہدانہ ہر طرح کے مضامین نظم کیے جاسکتے ہیں اسی طرح اشعار کی تعداد بھی مقرّر نہیں ہے۔ عام طور پر پانچ سے اُنیس اشعار تک کی غزلیں ہوتی ہیں۔

غزل کا پہلا شعر ’’مطلع‘‘ کہلاتا ہے، جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔ اگر کسی غزل میں دوسرا مطلع بھی ہو تو اسے ’’حسنِ مطلع‘‘ یا ’’زیبِ مطلع‘‘ کہتے ہیں۔ غزل کے آخری شعر میں شاعر اپنا تخلص نظم کرتا ہے، جسے ’’مقطع‘‘ کہتے ہیں۔ جس غزل میں ردیف نہ ہو، صرف قافیے ہوں اسے ’’غیر مردّف غزل‘‘ کہتے ہیں۔ وہ بحر اور ردیف و قافیہ جس کی غزل میں پابندی کی جاتی ہے، اس کو غزل کی ’’زمین‘‘ کہا جاتا ہے۔

غزل کے اشعار میں الگ الگ مضمون بیان کرنے کی رسم کو بعض لوگوں نے ناپسندیدگی اور نکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ اس کا عیب نہیں، حسن ہے۔

الطاف حسین حالؔی

1837 تا 1914

حالؔی پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ابھی وہ نو سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ نوعمری ہی میں شادی بھی ہوگئی۔ تحصیلِ علم کے شوق میں دہلی چلے آئے۔ یہاں انھوں نے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اسی دوران غالبؔ سے ان کی ملاقات ہوئی اور انھوں نے اردو و فارسی کا کچھ کلام بہ غرضِ اصلاح انھیں دکھلایا۔ اس کے علاوہ غالبؔ سے فارسی کے کچھ قصائد پڑھے لیکن سال ڈیڑھ سال بعد ہی اہلِ خانہ کے دباؤ کی وجہ سے انھیں وطن لوٹنا پڑا۔

1863 میں وہ نواب مصطفیٰ خاں شیفتہؔ، رئیسِ جہانگیر آباد، ضلع بلند شہر سے وابستہ ہوگئے۔ یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہا۔ شیفتہؔ ممتاز عالم، اردو فارسی کے خوش فکر شاعر اور صاحبِ ذوق انسان تھے۔ ان کی صحبت میں حالؔی کا ادبی مذاق اور نکھر گیا۔ اس درمیان غالبؔ اور دہلی سے بھی ان کا ربط برابر قائم رہا۔

1872 میں وہ لاہور چلے گئے۔ وہاں انھیں گورنمنٹ بک ڈپو میں ملازمت مل گئی۔ ان کا کام یہ تھا کہ وہ انگریزی سے اردو میں ترجمہ کی ہوئی کتابوں کی عبارت درست کر دیا کریں۔ اس طرح انھیں زبان و ادب سے متعلق مغربی خیالات اور بعض جدید علوم سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ یہیں سے ان کے ذہن میں اردو نثر و نظم کی اصلاح کا خیال بھی آیا۔ جب کرنل ہالرائڈ نے لاہور میں ''انجمنِ پنجاب'' کے مشاعروں کی بنیاد ڈالی تو حالؔی نے اس میں نمایاں طور پر حصّہ لیا۔ حالؔی کو محمد حسین آزادؔ کے ساتھ جدید اردو نظم کے بنیاد گزاروں میں شمار کیا جاتا ہے۔

حالؔی نے اردو میں نئے انداز کی سوانح عمریوں کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ ''حیاتِ سعدی'' (1886) ''یادگارِ غالب'' (1894) اور ''حیاتِ جاوید'' (1901) ان کی مشہور سوانح عمریاں ہیں۔

1893 میں انھوں نے اپنا دیوان مرتّب کیا تو اس کے شروع میں ایک مقدمہ بھی لکھا جو ''مقدمۂ شعر و شاعری'' کے نام سے معروف ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ شاعری کی تنقید پر یہ اردو کی پہلی باقاعدہ کتاب ہے۔

حالؔی نظم کے علاوہ غزل کے بھی اچھّے شاعر تھے۔ ان کی غزلوں میں لہجے کا دھیما پن، مبالغے سے پرہیز، گفتگو کا انداز اور محاورے کی چاشنی نمایاں ہیں۔

© NCERT not to be republished

غزل

اب بھاگتے ہیں سایۂ عشقِ بتاں سے ہم
کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم
خود رفتگیِ شب کا مزا بھولتا نہیں
آئے ہیں آج آپ میں یا رب کہاں سے ہم
اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو
کچھ پا گئے ہیں آپ کی طرزِ بیاں سے ہم
دلکش ہر ایک قطعۂ صحرا ہے راہ میں
ملتے ہیں جاکے دیکھیے کب کارواں سے ہم
لذّت ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ
پوچھیں گے جاکے حالؔیِ جادو بیاں سے ہم

(الطاف حسین حالؔی)

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

بتاں	:	بُت کی جمع، مراد حسین اور خوب صورت
خودرفتگی	:	بے خودی، آپے میں نہ رہنا
بگاڑ	:	خرابی، ناراضگی
طرز	:	انداز
قطعہ	:	ٹکڑا
کارواں	:	قافلہ
جادوبیاں	:	جادو جیسے اندازِ بیان والا، جس کی باتیں جادو کی طرح اثر کریں
کلام	:	شاعری

غور کرنے کی بات

- ''سائے سے بھاگنا'' یہ محاورہ ہے جس کے معنی ہیں بہت زیادہ خوف زدہ ہوجانا۔ پرانی شاعری میں یہ تصور عام تھا کہ دنیا کی تمام چھوٹی بڑی تبدیلیاں آسمان کی گردش کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اسی تصور کے تحت اس شعر میں آسمان سے ڈرنے کی بات کہی گئی ہے۔ غالبؔ کے درج ذیل شعر میں بھی اسی طرف اشارہ ہے:

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

- ''خودرفتگی'' (مدہوشی) اور آپ میں آنا'' (ہوش مندی) معنی کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ بلاغت کی اصطلاح میں اسے ''تضاد'' کہتے ہیں۔ اس طرح کے متضاد الفاظ کو کلام میں سلیقے کے ساتھ جمع کرنا بھی حسنِ کلام کا ذریعہ ہے۔
- شعر نمبر تین میں مکالمے اور گفتگو کا انداز بہت خوب ہے۔ ''طرز'' کا لفظ یہاں مؤنث استعمال ہوا ہے۔ عام طور پر اسے مذکر بولتے ہیں۔

© NCERT not to be republished

- شعر نمبر چار: ''قطعہ'' اصطلاح میں ایک صنفِ سخن کا نام ہے لیکن لغت میں اس کے اصل معنی ٹکڑے کے ہیں۔ پہلی قسم کے معنی کو ''اصطلاحی معنی'' اور دوسری قسم کے معنی کو ''لغوی معنی'' کہتے ہیں۔ اس شعر میں یہ لفظ لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔
- شعر نمبر پانچ: اس غزل کا مقطع ہے، شاعر نے اس میں اپنا تخلص نظم کیا ہے۔ مقطع میں کبھی کبھی شاعر اپنی تعریف بھی کرتا ہے۔ اصطلاح میں اسے ''تعلّی'' کہتے ہیں۔ حالؔی کی غزل کا یہ مقطع بھی شاعرانہ تعلّی کا نمونہ ہے۔

سوالات

1. شاعر، دل سے اور آسمان سے کیوں ڈرا ہوا ہے؟
2. خود کلامی کا مطلب کیا ہے؟
3. اس غزل کے مقطعے کا مقابلہ غالبؔ کے درج ذیل مقطعے سے کیجیے اور بتائیے کہ دونوں میں کون سی بات مشترک ہے؟

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالبؔ کا ہے اندازِ بیاں اور

عملی کام

- حالؔی کے ''مقدمۂ شعر و شاعری'' کا نسخہ حاصل کیجیے اور اس میں شعر کی جو خوبیاں بیان کی گئی ہیں اور شاعری کے لیے جو شرطیں بتائی گئی ہیں انھیں اپنے استاد سے پوچھ کر لکھیے۔

© NCERT not to be republished

آرزوؔ لکھنوی

1872 تا 1951

سید انور حسین آرزوؔ، لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد کا نام میر ذاکر حسین تھا۔ وہ بھی شعر کہتے اور یاسؔ تخلص کرتے تھے۔ آرزوؔ نے فارسی اور اپنے زمانے کے دوسرے علوم کی تعلیم لکھنؤ میں پائی۔ خاص طور پر عروض اور قواعد میں مہارت پیدا کی۔ میر ضامن علی جلالؔ لکھنوی اس وقت کے مشہور شاعر تھے۔ آرزوؔ نے ان کی شاگردی اختیار کی۔ شاعری کے علاوہ ان سے زبان و بیان کے نکات بھی سیکھے۔ استاد کی وفات کے بعد ان کے جانشین قرار پائے۔

اس زمانے میں کلکتے اور بمبئی میں تھیٹر کی متعدد کمپنیاں قائم تھیں۔ آرزوؔ نے ان کے لیے کئی ڈرامے مثلاً ''متوالی جوگن''، ''دل جلی بیراگن''، وغیرہ لکھے۔ فلموں کے لیے بھی کچھ گیت لکھے۔ ''نظامِ اردو'' اردو زبان سے متعلق ان کا اہم رسالہ ہے۔ ان کے کلام کے چار مجموعے شائع ہوئے ہیں: ''فغانِ آرزو''، ''جہانِ آرزو''، ''بیانِ آرزو'' اور ''سریلی بانسری''۔

آزادی سے پہلے مہاتما گاندھی 'ہندوستانی' کا پرچار کر رہے تھے، یعنی کہ ایسی زبان جس میں سنسکرت یا عربی و فارسی کے ثقیل الفاظ نہ ہوں۔ آرزوؔ نے اس سے متاثر خالص اردو، کی اصطلاح نکالی اور ''سریلی بانسری'' کے نام سے ایک ایسا شعری مجموعہ مرتب کر دیا جس میں فارسی عربی کے مشکل الفاظ نہیں ہیں۔ اس بات کی بڑی شہرت ہوئی اور اسے آرزوؔ لکھنوی کا امتیاز سمجھا گیا۔ آرزوؔ لکھنوی کا شمار ان باکمالوں میں ہوتا ہے جنھوں نے لکھنوی غزل کے رنگ کو نکھارا اور اسے ایک نئی اور سادہ زبان دی۔

© NCERT not to be republished

غزل

اول شب وہ بزم کی رونق، شمع بھی تھی پروانہ بھی
رات کے آخر ہوتے ہوتے ختم تھا یہ افسانہ بھی

ہاتھ سے کس نے ساغر پٹکا موسم کی بے کیفی پر
اتنا برسا ٹوٹ کے پانی، ڈوب چلا مے خانہ بھی

ایک لگی کے دو ہیں اثر اور دونوں حسبِ مراتب ہیں
لو جو لگائے شمع کھڑی ہے، رقص میں ہے پروانہ بھی

دونوں جولاں گاہِ جنوں ہیں بستی کیا ویرانہ کیا
اُٹھ کے چلا جب کوئی بگولا، دوڑ پڑا دیوانہ بھی

حسن وعشق کی لاگ میں اکثر چھیڑ اُدھر سے ہوتی ہے
شمع کا شعلہ جب لہرایا اُڑ کے چلا پروانہ بھی

(آرزو لکھنوی)

5257CH18

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

اول شب	:	رات کا پہلا پہر
بے کیفی	:	بے لطفی، جس میں کوئی مزا نہ ہو
حسبِ مراتب	:	مرتبے کے مطابق
رقص	:	ناچ
جولاں گاہِ جنوں	:	وہ دشت یا میدان جہاں دیوانگی کا اظہار کیا جا سکے

غور کرنے کی بات

- اردو شعر و ادب کی تاریخ میں دکن، دہلی اور لکھنؤ بڑے ادبی مراکز تسلیم کیے جاتے ہیں۔ انھیں ادبی اصطلاح میں عام طور پر ادبی ''دبستان'' کہتے ہیں۔
- آرزوؔ لکھنوی دبستانِ لکھنؤ کی آخری نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ بیسویں صدی میں یہ تفریق ختم ہوگئی۔ اب اس طرح کے دبستان کا کوئی وجود نہیں ہے۔

سوالات

1. دبستانِ لکھنؤ کے پانچ شعرا کے نام لکھیے۔
2. آرزوؔ لکھنوی کی غزل کے امتیازات کیا ہیں؟
3. صنعتِ تضاد کسے کہتے ہیں؟ اس غزل کے کن مصرعوں میں اس صنعت کو برتا گیا ہے؟

عملی کام

- مجموعہ ''سریلی بانسری'' تلاش کیجیے اور اس کی کسی پسندیدہ غزل کو یاد کر کے جماعت میں سنائیے۔
- آرزوؔ لکھنوی کی اس غزل سے دو ایسے اشعار کا انتخاب کیجیے جن میں عربی اور فارسی الفاظ سب سے کم استعمال کیے گئے ہوں۔

© NCERT not to be republished

معین احسن جذبیؔ

1912 تا 2004

معین احسن جذبیؔ مبارک پور، ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے۔ جھانسی، لکھنؤ، آگرہ اور دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ ایم۔ اے پاس کرنے کے بعد بغرض ملازمت مختلف شہروں میں قیام کیا۔ اردو کے استاد کی حیثیت سے شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے وابستہ ہوئے اور وہیں انتقال ہوا۔

شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ ابتدائی دور میں تخلص ملالؔ تھا، بعد میں جذبیؔ اختیار کرلیا۔ ''فروزاں''، ''سخنِ مختصر'' اور ''گدازِ شب'' کے نام سے تین شعری مجموعے شائع ہوئے۔ ''حالیؔ کا سیاسی شعور'' جذبی کا تحقیقی مقالہ ہے، جس پر انھیں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری ملی۔ انھیں ''اقبال سمّان'' اور ''غالب ایوارڈ'' پیش کیا گیا۔

جذبیؔ ترقی پسند دور کے اہم غزل گویوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ انھوں نے نظمیں بھی کہی ہیں لیکن ان کا امتیاز غزل کی صنف میں قائم ہوا۔ جذبیؔ کی شاعری کا خاص وصف اس کا دھیما پن، حزن آمیز غنائیت اور کلاسیکی رچاؤ ہے۔

© NCERT not to be republished

5257CH19

غزل

زندگی ہے تو بہر حال بسر بھی ہوگی
شام آئی ہے تو آئے کہ سحر بھی ہوگی
پرسشِ غم کو وہ آئے تو اک عالم ہوگا
دیدنی کیفیتِ قلب و جگر بھی ہوگی
منزلِ عشق پہ یاد آئیں گے کچھ راہ کے غم
مجھ سے لپٹی ہوئی کچھ گردِ سفر بھی ہوگی
ہوگا افسردہ ستاروں میں کوئی نالۂ صبح
غنچہ و گل میں کہیں بادِ سحر بھی ہوگی
دل اگر دل ہے تو جس راہ پہ لے جائے گا
درد مندوں کی وہی راہ گزر بھی ہوگی

(معین احسن جذبی)

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

پرسِش	:	پوچھنا، دریافت کرنا
دیدنی	:	دیکھنے کے لائق
کیفیت	:	حالت
گردِ سفر	:	سفر کا غبار
نالۂ صبح	:	صبح کے وقت کی جانے والی آہ وفریاد

غور کرنے کی بات

- مطلع میں شاعر نے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جس طرح ہر شام ختم ہوجاتی ہے اور پھر نئی صبح طلوع ہوتی ہے، اسی طرح زندگی بھی اچھی بری بسر ہو ہی جائے گی۔
- شاعر نے کہا ہے کہ محبوب اگر آ ئے تو ایک عالم ہوگا۔ عالم ہونے کا مطلب ہے ایک خاص کیفیت کا پیدا ہونا۔
- تیسرے شعر میں شاعر نے منزلِ عشق پر پہنچنے کا ذکر کیا ہے لیکن یہاں یہ اشارہ پوشیدہ ہے کہ اُس وقت تک راستے کے غم شخصیت کو تبدیل کر چکے ہوں گے۔
- آخری شعر میں شاعر کا کہنا ہے کہ دل اگر واقعی دل ہے تو انسان میں دردمندی کا وصف ضرور پیدا کرے گا یعنی انسان کو اس راستے پر لے جائے گا جہاں وہ دوسروں کے دکھ درد کو سمجھ سکے۔

سوالات

1. ''زندگی ہے تو بہر حال بسر بھی ہوگی'' سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

2. افسردہ ستاروں میں نالۂ صبح کے ہونے کا مطلب کیا ہے؟

3. دردمندوں کی راہ گزر کون سی ہے؟

عملی کام

- غزل میں مندرجہ ذیل تراکیب استعمال ہوئی ہیں:

پرسشِ غم، کیفیتِ قلب وجگر، منزلِ عشق، گردِ سفر، نالۂ صبح، بادِ سحر، راہ گزر، اپنی کتاب سے ایسی ہی کچھ اور ترکیبیں تلاش کرکے لکھیے۔

© NCERT not to be republished

جاں نثار اختؔر

1914 تا 1976

سیّد جاں نثار حسین رضوی نام، اختؔر تخلّص تھا۔ آبائی وطن قصبہ خیرآباد، (اتّر پردیش) تھا۔ جاں نثار اختؔر گوالیار میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد مضطؔر خیرآبادی مشہور شاعر تھے۔ انھوں نے دسویں جماعت تک تعلیم گوالیار کے وکٹوریہ کالجیئٹ ہائی اسکول میں حاصل کی۔ علی گڑھ سے بی اے اور ایم۔ اے کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد وکٹوریہ کالج، گوالیار میں اردو کے لیکچرر ہو گئے۔ تقسیمِ ملک سے کچھ پہلے بھوپال چلے گئے، وہاں حمیدیہ کالج میں بہ حیثیت صدرِ شعبۂ اردو ان کا تقرر ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد بھوپال سے بمبئی چلے گئے۔ وہیں اُن کا انتقال ہوا۔

جاں نثار اختؔر نے نظمیں، غزلیں اور رباعیاں کہی ہیں۔ وطنی، قومی اور سیاسی نظموں میں ان کے جذبات اور لہجے کی لطافت کا احساس ہوتا ہے۔ ''سلاسل''، ''تارِ گریباں''، ''نذرِ بتاں''، ''جاوداں''، ''گھر آنگن''، ''خاکِ دل'' اور ''پچھلے پہر'' ان کے شعری مجموعے ہیں۔ انھوں نے کئی فلموں کے گیت بھی لکھے۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں ''سوویت لینڈ نہرو'' اعزاز پیش کیا گیا۔

© NCERT not to be republished

5257CH20

غزل

جب لگیں زخم تو قاتل کو دعا دی جائے ہے یہی رسم تو یہ رسم اٹھا دی جائے
دل کا وہ حال ہوا ہے غمِ دوراں کے تلے جیسے اک لاش چٹانوں میں دبا دی جائے
ہم نے انسانوں کے دکھ درد کا حل ڈھونڈ لیا کیا بُرا ہے جو یہ افواہ اڑا دی جائے
ہم کو گزری ہوئی صدیاں تو نہ پہچانیں گی آنے والے کسی لمحے کو صدا دی جائے
اُنھی گلرنگ دریچوں سے سحر جھانکے گی کیوں نہ کھِلتے ہوئے زخموں کو دعا دی جائے
ہم سے پوچھو کہ غزل کیا ہے، غزل کا فن کیا
چند لفظوں میں کوئی آگ چھپا دی جائے

(جاں نثار اختر)

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

گل رنگ	:	گلابی رنگ کے
افواہ اڑانا	:	غلط خبر پھیلانا
دریچہ	:	کھڑکی

غور کرنے کی بات

- اس غزل کے چوتھے شعر میں دو لفظ ''صدیاں'' اور ''صدا'' استعمال ہوئے ہیں۔ بہ ظاہر ان دونوں کی اصل ایک معلوم ہوتی ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں۔ جب اس قسم کے الفاظ کسی شعر یا عبارت میں جمع ہو جائیں تو ایک صنعت پیدا ہو جاتی ہے جسے ''شبہِ اشتقاق'' کہتے ہیں۔
- پانچویں شعر میں شاعر نے '' کھلتے ہوئے زخموں'' کو ''گل رنگ دریچے'' کہا ہے۔ جب شاعر دو چیزوں کے درمیان اس قسم کی مشابہت ظاہر کرتا ہے تو اس عمل کو ''تشبیہ'' کہتے ہیں۔

سوالات

1. غزل کے پہلے شعر میں شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟
2. زخم، قاتل، لاش، غم کے مناسبات کو کیا کہیں گے؟
3. گل رنگ دریچوں سے کیا مراد ہے؟

عملی کام

- جاں نثار اختر کے کچھ شعر یاد کیجیے۔

© NCERT not to be republished

ناصؔر کاظمی

1925 تا 1972

ناصؔر کاظمی کی پیدائش انبالہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد وہ لاہور چلے گئے جہاں تقسیمِ ہند کے بعد انھوں نے مستقل سکونت اختیار کرلی۔ لاہور کی ادبی فضا میں ناصؔر کاظمی کی شاعری خوب چمکی۔ کچھ مدّت تک وہ ''اَوراقِ نو'' اور ''ہمایوں'' کے مدیر بھی رہے۔ 47 برس کی عمر میں جب اُن کی شاعری شباب پر تھی، اُن کا انتقال ہوگیا۔ اُن کی غزلوں کے مشہور مجموعے ''برگِ نَے'' (1954) اور ''دیوان'' (1957) ہیں۔ تیسرا مجموعہ ''پہلی بارش'' انتقال کے بعد 1975 میں شائع ہوا۔ ان کی نظموں کا مجموعہ ''نشاطِ خواب'' ہے۔ تنقیدی مضامین اور مختصر نثری تحریریں ''خشک چشمے کے کنارے'' کے نام سے یکجا کردی گئی ہیں۔ ناصؔر کاظمی نے ایک کتھا کہانی ''سُر کی چھایا'' بھی لکھی تھی۔ ناصؔر کاظمی کی ڈائری بھی مرتّب کرکے شائع کی جاچکی ہے۔

ناصؔر کاظمی جدید غزل کے نمائندہ شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ میرتقی میرؔ کی غزل سے وہ براہ راست بھی متاثر ہوئے اور انھوں نے یہ اثر فراقؔ گورکھ پوری کے واسطے سے بھی قبول کیا۔ اُن کی غزل اپنے دھیمے لہجے، دبے دبے دَرد اور جدید طرزِ احساس کی وجہ سے ممتاز ہے۔ انھوں نے اردو غزل کی داخلیت اور دروں بینی کو بیسویں صدی کے یاس انگیز ماحول کے ساتھ پیش کیا ہے۔

© NCERT not to be republished

غزل

یہ شب، یہ خیال و خواب تیرے
کیا پھول کھلے ہیں، منھ اندھیرے
شعلے میں ہے ایک رنگ تیرا
باقی ہیں تمام رنگ میرے
آنکھوں میں چھپائے پھر رہا ہوں
یادوں کے بجھے ہوئے سویرے
دیتے ہیں سراغ فصلِ گُل کا
شاخوں پہ جلے ہوئے بسیرے
منزل نہ ملی تو قافلوں نے
رستے میں جما لیے ہیں ڈیرے
جنگل میں ہوئی ہے شام ہم کو
بستی سے چلے تھے منھ اندھیرے
رودادِ سفر نہ چھیڑ ناصؔر
پھر اشک نہ تھم سکیں گے میرے

(ناصؔر کاظمی)

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

سراغ	:	پتا، کھوج
فصلِ گُل	:	موسمِ بہار
ڈیرہ	:	ٹھکانا، رہنے کی جگہ
روودادِ سفر	:	سفر کی کہانی

غور کرنے کی بات

- منھ اندھیرے یعنی صبح کا وہ وقت جب اُجالا پوری طرح نہیں پھیلا ہوتا ہے، شاعر نے اس لفظ کو مطلع اور چھٹے شعر میں بطور قافیہ استعمال کیا ہے اور اسے بالترتیب شب اور شام کے متضاد کے طور پر برتا ہے۔
- خزاں کے بعد بہار بھی ضرور آتی ہے۔ چوتھے شعر میں شاعر نے شاخوں پہ جلے ہوئے بسیروں کا ذکر کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اب فصلِ گُل بھی آنے والی ہے۔
- یہ غزل تقسیم کے بعد شاعر کے ہجرت کے تجربے کی روشنی میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

سوالات

1. مطلع میں صبح سویرے کِھلنے والے کن پھولوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟
2. یادوں کے بجھے ہوئے سویروں سے کیا مُراد ہے؟
3. راستے میں ڈیرے جمالینے سے کیا مطلب ہے؟

عملی کام

- ہندوستان کی تقسیم کے بعد ہجرت کے تجربے کے بارے میں ایک مختصر نوٹ لکھیے۔

© NCERT not to be republished

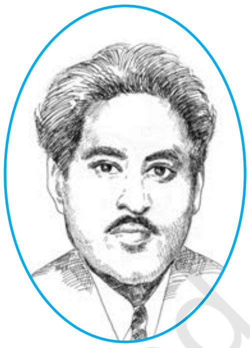

راجندرمنچندا بانیؔ

1932 تا 1981

بانیؔ کا پورا نام راجندرمنچندا تھااور بانیؔ تخلص ۔وہ ملتان میں پیدا ہوئے۔ابتدائی اور ثانوی تعلیم انھوں نے آزادی سے پہلے ملتان ہی میں حاصل کی۔آزادی کے بعد وہ اپنے خاندان کے دوسرے افراد کے ساتھ دہلی منتقل ہوگئے۔یہاں بھی انھوں نے درس و تدریس کا پیشہ اختیار کرلیا۔ملازمت کے دوران معاشیات میں ایم۔اے کیا۔ان کا انتقال دہلی میں ہوا۔

بانیؔ کا تعلق اردو کے نئے شاعروں کی اُس نسل سے ہے،جس نے ناصرؔ کاظمی اور خلیل الرحمٰن اعظمی کے بعد غزل کو ایک نیا رنگ وآہنگ عطا کیا۔ان کی غزل ایک نئے طرزِ احساس کی نمائندگی کرتی ہے۔بانیؔ کے اشعار میں دھند لکے کی کیفیت نمایاں ہے۔ان کی زبان وبیان میں بھی تازگی بہت ہے۔نئے پن کے باجود ان کی شاعری میں کلاسیکی لب ولہجہ ملتا ہے۔وہ نت نئے مضامین پیدا کرتے ہیں اور نئی اردو غزل کی روایت میں اپنی ایک الگ پہچان رکھتے ہیں۔بانیؔ کی شاعری نے ان کے بعد کے غزل گویوں کو بھی متاثر کیا ہے۔

© NCERT not to be republished

5257CH22

غزل

زماں مکاں تھے مرے سامنے بکھرتے ہوئے
میں ڈھیر ہوگیا طولِ سفر سے ڈرتے ہوئے

دِکھا کے لمحۂ خالی کا عکسِ لاتفسیر
یہ مجھ میں کون ہے، مجھ سے فرار کرتے ہوئے

بس ایک زخم تھا دل میں جگہ بناتا ہوا
ہزار غم تھے مگر بھولتے بسرتے ہوئے

وہ ٹوٹتے ہوئے رشتوں کا حُسنِ آخر تھا
کہ چپ سی لگ گئی دونوں کو بات کرتے ہوئے

عجب نظارا تھا بستی کا اس کنارے پر
سبھی بچھڑ گئے دریا سے پار اُترتے ہوئے

میں ایک حادثہ بن کر کھڑا تھا رستے میں
عجب زمانے مرے سر سے تھے گزرتے ہوئے

(راجندر منچندا بانیؔ)

© NCERT not to be republished

مشق

لفظ و معنی

زماں	:	زمانہ، وقت
مکاں	:	جگہ
طولِ سفر	:	سفر کی لمبائی
عکسِ لاتفسیر	:	ایسا عکس جس کی وضاحت ممکن نہ ہو
بسرنا	:	بھولنا
حسنِ آخر	:	اپنی کشش کھوتا ہوا حسن
سر سے گزرنا	:	مصیبتوں کی طرح نازل ہونا، جھیلنا

غور کرنے کی بات

- اردو غزل کی دو روایتیں ہیں: ایک پرانے خاص انداز کی غزل جسے کلاسیکی غزل کہتے ہیں۔ دوسری جدید غزل جس کا سلسلہ 1960 کے بعد شروع ہوتا ہے۔ باقؔی جدید غزل کے نمائندہ شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کا مطالعہ اسی پس منظر میں کیا جانا چاہیے۔

سوالات

1. زماں و مکاں کے بکھرنے کا کیا مطلب ہے؟
2. ''رشتوں کا حسنِ آخر'' سے کیا مراد ہے؟
3. شاعر نے اپنے آپ کو ''حادثہ'' کیوں کہا ہے؟

عملی کام

- اس غزل کے دو شعر زبانی یاد کیجیے۔

© NCERT not to be republished